پروفیسر اختر راہی

# اسلامی ہند کے علمی ذخائر کی یورپ کو منتقلی

برعظیم پاک و ہند میں یورپی اقوام کے آنے سے ہم نے آزادی کی نعمت ہی ضائع نہ کی بلکہ اپنا عظیم ثقافتی ورثہ بھی کھو بیٹھے۔ یورپی اقوام نے یہاں کے علم و ادب کا قیمتی ذخیرہ یورپ کو منتقل کر دیا۔ جسے ہمارے بزرگوں نے محنت سے ملوک، سلاطین اور ارباب ذوق نے جمع کیا تھا۔ فرانس، جرمنی اور انگلستان کے کتب خانوں میں یہ نوادرات موجود ہیں۔ آج صرف انڈیا آفس لائبریری، لندن، میں تقریباً اڑھائی لاکھ مطبوعہ کتابیں اور اٹھارہ ہزار مخطوطات ہیں۔ ان میں سے آٹھ ہزار تین سو سنسکرت کے، ایک سو ساٹھ ہندی کے، چار ہزار آٹھ سو فارسی کے، تین ہزار دو سو عربی کے اور دو سو تیرا اردو کے ہیں۔[1] انڈیا آفس لائبریری کے علاوہ برٹش میوزیم اور انگلستان کی جامعات میں ایسے نوادر بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم کے اعداد و شمار کے مطابق برٹش میوزیم میں عربی، فارسی، ترکی اور ہندی کے ۶۴۲۶، کیمبرج میں ۱۸۰۴ اور آکسفورڈ میں ۳۲۲۷ مخطوطات ہیں۔[2]

ایسٹ انڈیا کمپنی نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے ساتھ علم و ادب کے سرمائے کا انتقال شروع کر دیا۔ آغاز میں کمپنی کے پڑھے لکھے ملازمین نے یہ کام شروع کیا۔ انھوں نے مقامی زبان و ادب کی تحصیل کی۔ کتابیں لکھیں اور واپس جاتے ہوئے اپنے کتابوں کے ذخیرے بھی ساتھ لے گئے۔ مثال کے طور پر فرانسیسی نژاد پولیئر (POLIER) جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم تھا اور کلائیو اور وارن ہیسٹنگز کا اس پر بڑا اعتماد تھا، تیس سال ہند میں رہا، یہاں کے زبان و ادب سے دلچسپی کی بنا پر بہت سے

---

[1] یورپ میں اردو، آغا محمد افتخار حسین، ص ۸۴

[2] مقالات مولوی محمد شفیع، ج ۲، ص ۳۷۶

کتابیں جمع کرلیں - ۱۷۰۹ میں واپس یورپ گیا تو اپنے ذخیرہ کا کچھ حصہ ساتھ لے گیا - ویداور دوسرے چند مخطوطات برٹش میوزیم کو تحفۃً دیئے - اس کی وفات کے بعد اس کے وارثوں نے عربی و فارسی کے ۴۳ مخطوطات پیرس کے شاہی کتب خانے میں داخل کیے -

پولیئر کا جو ذخیرہ ہندوستان میں رہ گیا تھا - وہ ایک انگریز ایڈورڈ افرانم پوٹ کے ہاتھ لگا - وہ ایٹن کا رہنے والا تھا - ۱۷۷۳ء میں کیمبرج یونیورسٹی کے کنگز کالج سے فارغ التحصیل ہوا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کرکے برصغیر آگیا - یہاں آکر اس نے مقامی زبانوں اور ان کے ادبیات میں دلچسپی لی - اسی دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ قلمی نوادر کی تلاش و جستجو کی - ۱۷۸۸ء کے ایک خط میں - جو اس نے پٹنہ سے کنگز کالج کے سربراہ کے نام لکھا - رقمطراز ہے کہ وہ جب سے یہاں آیا ہے، کتابوں کے فراہم کرنے میں کوشاں رہا ہے اور اپنی کوششوں میں کامیاب ہو کر پانچ سو مخطوطات حاصل کر لیے ہیں - یہ ذخیرہ ۱۷۹۰ء میں انگلستان بھیجا گیا - نصف کنگز کالج اور نصف ایٹن کالج کے حصہ میں آئے ہیں[۵]

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے مقبوضات سے حاصل کردہ نوادر اور قلمی کتابوں کی حفاظت کے لیے ۱۸۰۱ء میں انڈیا آفس لائبریری قائم کیا - اس کے بعد کمپنی کے ڈائریکٹروں کی ہر ممکن کوشش یہ رہی کہ نوادر اسی لائبریری میں یک جا ہوں -

۱۷۹۹ء میں میسور کے ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد سرنگاپٹم پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو قلعہ اور شاہی محلات کے ساتھ سلطان کا کتب خانہ بھی روندا گیا - حالات پُر امن ہونے پر کتب خانہ کا بچا کھچا حصہ لارڈ ولزلی نے فورٹ ولیم کالج میں منتقل کر دیا - کمپنی کے ڈائریکٹروں کو گورنر جنرل کی یہ کاروائی ناگوار گزری - چنانچہ ۵ رجون ۱۸۰۶ء کو گورنر جنرل کے نام ایک تہدید آمیز خط لکھا گیا - اس خط کا ایک ٹکڑا ملاحظہ فرمائیے :

"اب ہم آپ کی توجہ ٹیپو سلطان کے کتب خانے کی طرف مبذول کراتے ہیں جو سرنگاپٹم کے سقوط کے وقت

---

[۵] مقالاتِ ہاشمی، جلد اول - نصیر الدین ہاشمی، ص : ۴۴۳ - ۴۴۶ (ملخص)

ہماری فوج کے قبضہ میں آیا تھا اور جس کا یہاں بھیجا جانا اشد ضروری تھا۔ ابتدا سے ہماری یہ رائے ہے کہ اس کتب خانے کے لیے موزوں ترین جگہ کمپنی کی لائبریری ہے۔ آپ نے اب تک باضابطہ اور سرکاری طور پر اس کتب خانے کی کوئی فہرست ہمارے پاس نہیں بھیجی۔ آپ کی اس غفلت کی وجہ سے ہم کتب خانے کے متعلق کوئی واضح اور متعین ہدایات جاری نہیں کر سکے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتب خانہ اچھی حالت میں اور کسی محفوظ جگہ پر ہوگا۔ لہٰذا ہم اس کے متعلق احکام صادر کرتے ہیں۔

"ایک پرائیویٹ ذریعہ سے جو فہرست ہمارے پاس پہنچی ہے، اس کے مطابق اس کتب خانے میں قرآن اور شاہنامے کے بعض نہایت قیمتی اور مجلاً و مطلاً نسخے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سی گراں پایہ تصانیف ایسی ہیں جو حُسنِ کتابت کا نادر مرقع ہونے کے علاوہ مصوری کے لاجواب نمونوں سے بھی مزین ہیں اور جن کی جلدیں بڑی بیش قیمت ہیں۔

"آپ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ ایسی تمام کتابیں بڑی احتیاط سے الگ کر دی جائیں۔ ان کے علاوہ نظم و نثر کی دیگر کتب کے، اگر دو دو نسخے موجود ہیں تو ان میں سے بھی ایک ایک نسخہ علیحدہ کر لیا جائے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ایسی بے شمار کتابیں اس ذخیرے میں موجود ہیں۔

"اس طرح تمام ذخیرے کو بڑی احتیاط سے بکسوں میں بند کر کے فوراً یہاں بھیج دیا جائے۔ سمندر کے سفر میں چونکہ خطرے بہت ہوتے ہیں اس لیے تمام بکسوں کو ایک ہی جہاز میں لادنے کے بجائے دو یا تین مختلف جہازوں میں تقسیم کر کے بھیجیے۔

"اس کے علاوہ کتب خانے کی دو مکمل فہرستیں بھی ارسال کیجیے۔ ایک فارسی اور انگریزی میں۔ کتب خانہ پہلے دن جس حالت میں سرنگاپٹم سے برآمد ہوا تھا۔ اس کی مکمل فہرست درکار ہے۔ دوسری فہرست میں اُن کتابوں کے نام کا اندراج ہونا چاہیے جو ہماری اس ہدایت کے مطابق یہاں بھیجی جا رہی ہیں۔"[۴۲]

۱۸۰۶ء میں اسٹوارٹ نے کتب خانہ کی فہرست تیار کی تو عربی، فارسی، ترکی اور دکنی کی دو ہزار

---

۴۲ چند یادیں، چند تاثرات — عاشق حسین بٹالوی، ص: ۳۵۷-۳۵۸

کتابیں موجود تھیں۔ اسی سال ڈائریکٹروں کی ہدایت کے مطابق لارڈ ولزلی نے کتب خانہ کی ایک قسط لندن بھیج دی جس میں دو سو کتابیں شامل تھیں۔ باقی کتابیں فورٹ ولیم کالج ہی میں محفوظ رہیں۔

۱۸۰۷ء میں رچرڈ جانسن نے ایک اچھا ذخیرۂ کتب لندن منتقل کیا۔ وہ ۱۷۷۰ء میں کلرک بھرتی ہو کر کلکتہ آیا تھا اور ترقی کرتے کرتے نظام حیدرآباد کے دربار میں ریذیڈنٹ کے عہدے پر پہنچ گیا تھا۔ تقریباً تیس سال برصغیر میں مقیم رہا اور جب وطن واپس گیا تو اس کے پاس عربی و فارسی کے کیارہ سو مخطوطات تھے۔ اس کے علاوہ تیرہ سو کے لگ بھگ مصوری اور نقاشی کے بیش قیمت نمونے تھے۔ جانسن کا یہ ذخیرہ انڈیا آفس لائبریری نے خرید لیا۔

۱۸۰۹ء میں وارن ہیسٹنگز نے آٹھ سو پونڈ رقم کے عوض اپنا ذخیرۂ کتب کمپنی کے ہاں فروخت کیا۔ جس میں زیادہ تر فارسی شعرا کے دواوین تھے اور ان کی جلدیں مطلّا و مذہب تھیں۔ اسی سال مہاراجہ بڑودہ کا کتب خانہ بھی لائبریری کی نذر ہوا۔

۱۸۱۹ء میں ہنری کول برک نے دو ہزار سنسکرت کی کتابیں لائبریری کو ہدیۃً پیش کیں۔ ہنری کول برک کا والد سر جارج برک، ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کا صدر تھا۔ ہنری ۱۷۸۲ء میں کمپنی کی ملازمت اختیار کر کے ہندوستان آیا۔ اکاؤنٹنٹ اور اسسٹنٹ کلکٹر کے ابتدائی درجوں سے ترقی کرتے کرتے وہ جج اور سفیر کے منصب پر فائز ہوا۔ ۱۸۰۰ء میں گورنر جنرل کی انتظامی کونسل کا رکن مقرر ہوا۔ اس عرصہ میں لارڈ ولزلی کے ایما پر فورٹ ولیم کالج میں مدرس کے طور پر کام کرتا رہا۔ ہنری کی دلچسپیاں سنسکرت زبان اور ہندو تہذیب و تمدن سے تھیں۔ یہی سبب تھا کہ ۱۸۱۵ء میں واپس انگلستان جاتے ہوئے اس کے پاس سنسکرت کے مخطوطات کا گراں قدر ذخیرہ تھا۔

چند سال بعد ۱۸۲۲ء میں ڈاکٹر جان لیڈن کا ذخیرہ انڈیا آفس لائبریری نے حاصل کیا۔ جان لیڈن پیشہ کے اعتبار سے ڈاکٹر تھا لیکن زبان دانی کے اعتبار سے حیرت انگیز شخص تھا۔ یورپی زبانوں کے علاوہ عربی، فارسی، سنسکرت، ہندی، تامل، تیلگو اور انڈونیشی زبانوں پر عبور رکھتا تھا۔ فورٹ ولیم کالج میں شعبۂ ہندوستانی (اردو) سے منسلک رہا تھا۔ ۱۸۱۱ء میں جوانی کے عالم میں فوت ہوا۔ اس کی وفات

کے بعد اس کا مہیا کردہ ذخیرہ انڈیا آفس لائبریری میں پہنچا

۱۸۳۷ء میں سر جان کانولے نے برصغیر کے علمی نوادر کا ایک اہم ذخیرہ لندن منتقل کیا۔ ۱۸۵۴ء میں فورٹ ولیم کالج، کمپنی کی عدم دلچسپی کی وجہ سے بند ہوا تو اس کا پورا ذخیرۂ کتب انڈیا آفس پہنچا دیا گیا جس میں اردو، سنسکرت، عربی اور فارسی وغیرہ کی بیش بہا مطبوعہ کتابیں اور مخطوطات تھے۔ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ کا بقیہ حصہ بھی لندن پہنچ گیا۔

ان کوششوں کے باوجود کئی مہاراجوں اور نوابوں کے شاہی کتب خانے اس دست برد سے محفوظ تھے۔ اسی طرح بعض علما اور ارباب ذوق کے ذخیرے بچے ہوئے تھے۔ ۱۸۵۴ء میں اسپرنگر (۱۸۱۳ء — ۱۸۹۳ء) نے اودھ کے شاہی کتب خانوں کی فہرست مرتب کی۔ وہ لکھتا ہے:

"۶ ستمبر ۱۸۴۷ء کو مجھے حکومت ہند نے لکھنؤ کے ریذیڈنٹ کے اکسٹرا اسسٹنٹ کے عہدے پر تقرر کا اعزاز بخشا۔ یہ اسامی عارضی نوعیت کی تھی اور مجھے یہ کام تفویض کیا گیا کہ میں شاہ اودھ کے کتب خانوں میں موجود فارسی اور عربی کتابوں کی فہرست مرتب کروں۔ مجھے جو احکام ملے ان میں یہ ہدایت بھی تھی کہ یہ ضروری نہیں کہ آپ اپنا کام صرف شاہ کے کتب خانوں تک محدود رکھیں بلکہ وہ متعدد کم یاب اور بیش بہا کتابیں بھی دیکھیں جو شہر کے بعض نجی کتب خانوں کی زینت ہیں۔ میں نے ... ماہ میں فہرست تیار کی اور تقریباً دس ہزار کتابیں دیکھیں [۵۶]"

۱۸۵۷ء میں اسپرنگر ہندوستان سے واپس اپنے وطن جرمنی گیا تو مشرقی مخطوطات کا ایک گراں قدر ذخیرہ اس کے پاس تھا۔ اس ذخیرہ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے:

"During his stay in India and his journeys in the Near East he sought out rare manuscripts and

---

[۵۶] A. Sprenger, Catalogue of the Arabic, Persian and Hindustani manuscripts (دیباچہ)

either acquired them or had copies made of them so that he finally returned to Europe with nearly 2000 volumes including 1100 Arabic manuscripts. These were purchased by the Berlin Library."[۵۶]

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں دہلی اور دوسرے متاثرہ شہروں میں بیسیوں کتب خانے، مدارس اور خانقاہیں لوٹ مار کا شکار ہوئیں یا گولہ بارود کی نذر ہوگئیں۔ مرزا غالب کے خطوط سے دہلی کے علمی اداروں کی تباہی کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔ مدرسہ، دار البقا، مدرسہ روشن الدولہ، خانقاہ کلیم اللہ جہاں آبادی، خانقاہ مرزا مظہر جانجاناں تاراج ہوئیں اور ان کے کتب خانے بھی تباہ ہوگئے۔[۵۷]

اس جنگ میں جو اہلِ علم دار و گیر کا شکار ہوئے ان کی جائیداد غیر منقولہ کے ساتھ کتب خانے بھی ضبط ہوگئے جو نیلام ہو کر بٹ گئے۔ علمائے صادق پور میں مولانا ولایت علی اور مولانا احمد اللہ کی جائیداد کے ساتھ کتب خانے ضبط ہوئے۔ ان کا کچھ حصہ بانکی پور پٹنہ کے کتب خانہ میں ملتا ہے۔ لیکن بڑا حصہ لندن میں منتقل ہوگیا۔

مفتی صدر الدین آزردہ گرفتار ہوئے۔ ان کی جائیداد ضبط ہوئی۔ کتب خانہ بھی ساتھ ہی قرق ہوگیا۔ بے گناہ ثابت ہونے پر نصف جائیداد واگزار ہوئی تو مفتی صاحب نے کتب خانے کی واپسی کا مطالبہ کیا مگر وہ نیلام ہو چکا تھا۔ اس کتب خانہ کی مالیت تین لاکھ روپے تھی۔[۵۸]

نواب ضیاء الدین احمد خان (رئیس لوہارو) بڑے فاضل شخص تھے۔ وہ اپنی آمدنی کا بڑا حصہ کتابوں

---

۵۶ The study of Arabic and Islamic studies at German Universities.

۵۷ خطوطِ غالب — (مرتبہ) غلام رسول مہر، ص: ۲۸۴، ۳۶۰، ۴۲۲۔

۵۸ حدائق الحنفیہ — فقیر محمد جہلمی، ص: ۴۸۲

کی فراہمی پر صرف کرتے تھے۔ غالب کے شاگرد ہونے کے ناطے ان کی نظموں اور غزلوں کا ذخیرہ نواب صاحب کے کتب خانے میں محفوظ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی باد خزاں میں یہ گلستان بھی اجڑ گیا۔ غالب کے اندازے کے مطابق اس میں کم از کم بیس ہزار روپے کی مالیت کی کتابیں تھیں۔

دہلی میں شاہان مغلیہ کا شاہی کتب خانہ اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ اس میں مغل خاندان کی صدہا سال کی محنت سے جمع کی ہوئی کتابیں، فرامین، تصاویر اور دوسرے بیش بہا نوادر تھے۔ اگرچہ یہ کتب خانہ اٹھارویں صدی سے لٹنا شروع ہو گیا تھا اور حملۂ نادری کے وقت اس کی کئی کتابیں اودھ کے کتب خانوں میں منتقل ہو گئی تھیں، تاہم دہلی کا یہ ایسا عظیم ذخیرۂ کتب تھا جس سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور مولانا سید نذیر حسین محدث جیسے اہل علم اپنی ضرورت کی کتابیں منگواتے تھے۔

سید ابوظفر ندوی صاحب نے اس کتب خانے کے بارے میں لکھا ہے:

"۱۸۵۷ء کے بعد اس کتب خانے کے اجزا مختلف مقامات میں منتشر ہو گئے۔ اس کا کچھ حصہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے قبضہ میں آیا اور کچھ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف لندن کی نظر ہوا۔ بقیہ کتابیں لندن کے شاہی کتب خانہ میں داخل کی گئیں۔ پھر بھی ہزاروں کتابیں ایسی تھیں جو ہندوستان میں رہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے متعدد کتب خانوں میں ایسی کتابیں میری نظر سے گزری ہیں جن پر شاہان مغلیہ اور ناظم کتب خانہ کی مہریں موجود ہیں۔"[۵۹]

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی صاحب کے بیان کے مطابق "۱۸۵۷ء میں لال قلعہ کا جو بچا کھچا کتب خانہ انگریزوں کے ہاتھ آیا۔ اس میں تین ہزار چھ سو نسخے موجود تھے، جن میں عربی کی ۱۹۵۰، فارسی کی ۱۵۵۰ اور اردو کی صرف ایک سو کتابیں تھیں۔"[۶۰]

انڈیا آفس لائبریری میں غالباً یہی ذخیرہ Delhi Collection کے نام سے موسوم

---

۵۹ ماہ نامہ "معارف" (اعظم گڑھ) مضمون "ہندوستان کے کتب خانے"۔ ج ۶۳، ش ۲، ص ۱۸۷-۱۸۸۔

۶۰ چند یادیں، چند تاثرات — عاشق حسین بٹالوی، ص ۲۸۶۔

ہے ۔ اس کی کوئی فہرست شائع نہیں ہوئی ۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام مرحوم کے ایک تعارفی مضمون سے اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں [۱۱۱] لائبریری کے ناظم صاحب نے دہلی کلیکشن کے بارے میں اس قدر لکھا ہے :

" شاہانِ مغلیہ کے کتب خانے کا وہ بچا کھچا حصہ ہے جو فتح دہلی کے بعد ۱۸۵۸ء میں انگریز حکام کے ہاتھ آیا اور ۱۸۷۶ء میں اس لائبریری میں منتقل ہوا [۱۱۲]

اس ذخیرہ کے فارسی مخطوطات کی ایک ۔۔ فہرست ۱۹۰۳ء سید علی بلگرامی مرحوم (مترجم تمدنِ ہند) نے تیار کی تھی جس کے مطالعہ سے شیخ محمد اکرام مرحوم نے درج ذیل نتیجہ اخذ کیا :

" انڈیا آفس لائبریری کے ناظم صاحب کا یہ خیال کہ ذخیرۂ دہلی میں مغل بادشاہوں کی لائبریری کا بقیہ ہے، محلِ نظر یا کم از کم محتاجِ تشریح ہے ۔ بلاشبہ اس کا کافی حصہ شاہی کتب خانے سے آیا ہوگا لیکن اس ذخیرہ میں متواترات اور درسی کتب کی کثرت ہے اور متعدد مخطوطے ایسے ہیں جو کسی مدرسہ کے کتب خانے کی زینت رہے ہوں گے ۔ شاہ ولی اللہ کی بعض کتابوں کے ایسے نسخے ہیں جن کی کتابت ان کی زندگی میں ہوئی ۔ (مثلاً الانصاف فی سبب الاختلاف مکتوبہ ۱۱۷۱ء) ۔ شاہ رفیع الدین صاحب کے متعدد غیر معروف رسائل اور رفقا ئد ہیں ۔ ہمارا قیاس ہے کہ ذخیرۂ دہلی میں مدرسہ رحیمیہ یا کم از کم شاہ رفیع الدین صاحب کا کتب خانہ شامل ہے اور غالباً بعض دوسرے مدارس اور خانقاہوں کے کتب خانے بھی [۱۱۳] "

۱۸۵۷ء کے بعد بھی قلمی کتابیں لندن منتقل ہوتی رہیں ۔ مثال کے طور پر انڈیا آفس لائبریری نے سر ولیم جونس (بانی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال) کا جمع کردہ ذخیرہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال سے حاصل کیا ۔

حضرت علامہ اقبالؒ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ قوموں کی زندگی فکر و خیال کے سرمایہ سے تشکیل پاتی ہے اور اگر کسی قوم کا سرمایۂ فکر و خیال چھین جائے تو اس کی ترقی رک جاتی ہے ۔ چنانچہ انھوں نے جب انگلستان اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں "علم و حکمت" کے بے گراں بہا موتی دیکھے تو پکار اٹھے :

وہ موتی علم و حکمت کے، کتابیں اپنے آبا کی      جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

---

۱۱۱ چند یادیں، چند تاثرات ـ عاشق حسین بٹالوی، ص: ۲۸۶    ۱۱۲ ایضاً    ۱۱۳ ایضاً